سبحانک ھذا بہتان عظیم

(مظہری یزیدیت بمقابلہ عباسی یزیدیت)

ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور نے کچھ ماہ قبل ''مولانا امین اوکاڑوی نمبر'' شائع کیا تو اس میں حسبِ دستور سابق ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' کے بانی رئیس التحریر حضرت سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے حلقہ فکر کو جا بجا دشنام والزام کے ساتھ یاد کیا گیا تھا۔ ذیل میں، مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی نے ''حق چار یار'' کے مذکورہ ''نمبر'' کے حوالے سے سرپرست مجلہ، مولانا قاضی مظہر حسین چکوالی کے بعض اُن مغالطات کا تعاقب اور الزامات کا محاسبہ کیا ہے۔ جن کے مخاطب اور مورِدِ خود مولانا سیالکوٹی ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی قسط دسمبر ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

قاضی صاحب نے مجھ سے متعلق تین باتیں کہی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ مجھے، دیوبندیت کی طرف منسوب لوگوں میں شمار کر کے میرا غیر دیوبندی ہونا باور کرایا ہے۔ دوسری یہ کہ مجھے عباسی عقیدے کا حامل اور اسی زمرے میں شامل گردانا ہے۔ تیسری یہ کہ ان کے مناظرِ اسلام صاحب نے اپنی مناظرانہ علمی صلاحیت کے ذریعہ سے مجھے لاجواب اور بے بس کر دیا ہے۔ میرے بارے میں مظہری فتوائے یزیدیت کی یہ تینوں ہی باتیں بالکل غلط ہیں۔ جن کی بالترتیب تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

مسئلہ دیوبندیت جیسے اور جتنے دیوبندی، قاضی صاحب ہیں ویسا اور اتنا دیوبندی تو یقیناً میں بھی ہوں۔ بلکہ اگر میں کہوں کہ بعض اعتبار سے ان سے بھی بڑھ کر دیوبندی ہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کہ:

الف: قاضی صاحب، پیدائشی طور پر دیوبندی نہیں ہیں۔ قاضی صاحب جب پیدا ہوئے تو اس وقت ان کے والد بزرگوار اکابرِ دیوبند سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ان پر کفر تک کے فتوے لگاتے پھر رہے تھے۔ گو کہ قاضی صاحب کا بیان ہے کہ آخر عمر میں وہ اکابر دیوبند کے عقیدت مند ہو گئے تھے۔ ہو گئے ہوں گے لیکن یہ کہنے کی جرأت قاضی صاحب نہیں کر سکے کہ ''وہ آخر عمر میں دیوبندی العقیدہ ہو گئے تھے'' جبکہ میرے والد صاحب متصلب دیوبندی تھے، مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ سے بیعت تھے، میری والدہ ماجدہ، حضرت لاہوریؒ کے ممتاز خلیفہ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری رحمہ اللہ سے بیعت تھیں۔

ب: اگر قاضی صاحب، دیوبندی اس وجہ سے ہیں کہ انہوں نے علماء دیوبند سے پڑھا ہے تو میں اس اعتبار سے بھی ان سے بڑھ کر دیوبندی ہوں۔ انہوں نے اپنے تعلیمی دورانیے کے صرف آخری دو سال، علماء دیوبند سے پڑھا ہے جبکہ میں پندرہ سولہ

سال تک ان سے ہی پڑھتا رہا ہوں۔

ج: اور اگر قاضی صاحب اس لئے دیوبندی ہیں کہ شیخ العرب والعجم حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ ہیں، تو اس سے انکارِ دیوبندی ہونا لازم نہیں آتا۔ جامع خیر المدارس ملتان کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دام اقبالہ نے ایک جگہ بالتصریح فرمایا کہ: ''اگر کسی کو ڈاکٹری کی سند مل جائے تو یہ اس بات کی سند نہیں کہ یہ شخص قانون سازی بھی کر سکتا ہے۔ ایسے ہی طریقت میں کسی شیخ سے خلافت مل جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ صاحب، اکابر کے مسلک و مشرب کے بھی ترجمان ہیں۔ واللہ یقول الحق وہو یہدی السبیل'' (ماہنامہ ''الخیر'' ملتان، محرم ۱۴۱۶ھ، ص ۴۷)

بالکل یہی احتمال قاضی صاحب کے بارے میں ہو سکتا ہے۔ خصوصاً وہ چشم و چراغ بھی بریلوی گھرانے کے ہیں اور ان کا اپنا نظریہ بھی یہ ہے کہ ''دیوبندی اور بریلوی میں عقیدے کا قطعاً کوئی اختلاف نہیں''

(خطبہ جمعہ بمقام مدنی مسجد چکوال، روزنامہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی، ۵ فروری ۱۹۸۶ء)

اور قاضی صاحب کے مزاج کے مطابق اس کی مثال یہ ہے کہ یزید، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلیفہ تھا اور خلافت بھی اس کی کبریٰ تھی جبکہ قاضی صاحب کی خلافت، خلافت صغریٰ ہے۔ اس کے باوجود وہ (قاضی صاحب کے نزدیک) فاسق و فاجر اور ملعون بلکہ کافر ہی رہا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر، ہادی و مہدی صحابی اور اپنے وقت کے خلیفۂ راشد کی طرف سے ملنے والی خلافتِ کبریٰ بھی اس کے صالح و عادل بلکہ مسلمان تک ہونے کی بھی دلیل نہ ہو سکی تو شیخ مدنی رحمہ اللہ کی طرف سے ملنے والی خلافتِ صغریٰ، قاضی صاحب کی دیوبندیت کی دلیل کیسے ہو سکتی ہے؟

لیکن اگر ان کی ''خلافت'' کو بجائے خود ایک ''دلیل'' مان لیا جائے تو میرا بھی بیعت و اصلاح کا تعلق، دیوبندی المسلک مشائخ سے ہی رہا ہے۔ لکھ چکا ہوں کہ میرے والد صاحب تو میری پیدائش سے بھی پہلے امام الاولیاء حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے اور میری والدہ محترمہ ان کے خلیفۂ مجاز حضرت پسروری رحمہ اللہ سے بیعت کا تعلق قائم کر چکے تھے۔ میں بھی حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے ہی بیعت ہونا چاہتا تھا، اسی ارادہ سے حضرت مولانا بشیر احمد پسروری رحمہ اللہ کا سفارشی خط لے کر لاہور گیا لیکن شومئی قسمت کہ حضرت لاہوریؒ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ دوسرے سال ختم رمضان پر دوبارہ اسی ارادہ سے لاہور جانے کا پختہ ارادہ تھا کہ اس رمضان میں ان کا انتقال ہو گیا۔ میں وہ رمضان پسرور میں ہی گزار رہا تھا۔ رمضان کے بعد حضرت پسروری مجھے خود لاہور لے گئے اور اپنی موجودگی میں مجھے حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرا دیا۔ انہوں نے مجھے بیعت تو کر لیا لیکن سپرد حضرت پسروریؒ کے ہی کر دیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا عبد العزیز صاحب رائے پوری رحمہ اللہ سے میں بیعت ہوا، ان کے بعد حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمہ اللہ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کیا۔ بلکہ جن علمی و تحقیقی مسائل میں اختلاف کی شرعاً گنجائش ہے۔ ان میں اگر قاضی صاحب اختلاف برداشت کر سکیں تو بیعت تو ہم ان سے بھی ہونے کیلئے تیار ہیں۔

مسئلہ عباسیت دوسری بات میرے بارے میں قاضی صاحب نے یہ گھڑی ہے کہ ''میں بھی عباسی تحریرات سے متأثر ہو کر اس کا عقیدہ اپنا لینے والے زمرے میں شامل ہوں''۔ اس کا مختصر جواب تو ہے....... ''سبحانک ہذا بہتان عظیم''!

اور مفصل جواب اس کا یہ ہے کہ عباسی تحریرات سے کہیں زیادہ تو میں نے مظہری تحریرات پڑھی ہیں۔ محمود احمد عباسی کی صرف ایک کتاب ''تبصرۂ محمودی بر ہفواتِ مودودی'' (جو بعد میں ''حقیقت خلافت و ملوکیت'' کے نام سے چھپی) اور صرف ایک کتابچے ''نہج البلاغہ تاریخ کی روشنی میں'' کے سوا، ان کی کوئی اور کتاب یا تحریر میں نے آج تک براہ راست نہیں پڑھی۔ بلکہ ان دو تحریروں کے علاوہ جتنی بھی عباسی تحریرات میں نے پڑھی ہیں اکثر و بیشتر قاضی صاحب کی ہی کتابوں کے حوالے سے اور انہی کے دھواں دار تبصروں کے ساتھ پڑھی ہیں۔ اگر میں مظہری تحریرات سے متأثر نہیں ہوا تو عباسی تحریرات سے کیسے متأثر ہو گیا؟

عباسی و ریحانی نظریات میں فرق: اس کی مزید وضاحت، صرف ایک واقعۂ کربلا سے ہی متعلق، عباسی و ریحانی نظریات کے تقابلی ملاحظہ سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

۱۔ عباسی صاحب، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو صحابی یقین نہیں کرتے'' میں ان کو صحابی یقین کرتا ہوں۔

۲۔ وہ ان کو ''شہید'' نہیں مانتے بلکہ ''مقتول'' کہتے ہیں جبکہ میں ان کو ''شہید'' مانتا اور کہتا ہوں۔

۳۔ وہ، ان کے کربلائی اقدام کو غلط کہتے ہیں، میں اس کو صحیح کہتا ہوں۔

۴۔ وہ، ان کے کربلائی مؤقف، دو بناتے ہیں۔ ایک میدانِ کربلا میں پہنچنے والا اور دوسرا وہاں پہنچنے کے بعد والا۔ میں ان کا شروع سے آخر تک ایک ہی مؤقف مانتا ہوں۔

۵۔ وہ، کربلائی اختلاف بنیادی طور پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے درمیان بتاتے ہیں، میں ان کے اور صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کے درمیان بتاتا ہوں۔

۶۔ عباسی صاحب کے نزدیک اختلافی اور بنیادی مسئلہ یزید کے عدل و فسق کا تھا جبکہ میرے نزدیک اصل مسئلہ طریقِ انعقادِ خلافت کا تھا۔

۷۔ وہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کربلائی اقدام کی صحت و عدم صحت کی بنیاد، یزید کے فسق و عدل کو ٹھہراتے ہیں جبکہ میں اصولِ شرع اور قواعدِ اجتہاد کو ٹھہراتا ہوں۔ یعنی ان کے نزدیک حسینی مؤقف، غلط اس لئے تھا کہ یزید صالح و عادل خلیفہ راشد تھا۔ میرے نزدیک ان کا مؤقف، صحیح اس لئے تھا کہ اصولِ شرع اور قواعدِ اجتہاد کے مطابق تھا۔

۸۔ وہ، حضرت حسینؓ کے عدل اور یزید کے فسق میں تقابل و تلازم بتاتے ہیں یعنی ان کے نزدیک بیک وقت دونوں نہ عادل و صالح ہو سکتے ہیں نہ باغی و فاسق۔ بلکہ ایک اگر عادل ہے تو دوسرا لازماً اس کے برعکس۔ وہ چونکہ یزید کو عادل و صالح مانتے ہیں۔ اس لئے حضرت حسینؓ کو ان کے کربلائی مؤقف میں لازماً غلط اور غیر عادل ٹھہراتے ہیں۔ میں ان میں نہ تقابل مانتا ہوں نہ تلازم۔ میرے نزدیک حضرت حسینؓ کے مؤقف کی صحت و عدم صحت مستقل علیحدہ مسئلہ ہے اور یزید کا فسق و عدل

اس سے بالکل جدا۔ حضرت حسینؓ تو اپنے کربلائی مؤقف میں عادل ہی عادل ہیں۔ رہا یزید کا فسق وعدل، تو ان میں سے کوئی بات بھی حسینی عدالت کو لازم نہیں۔ وہ، فاسق وفاجر ہوتا پھرے یا عادل وصالح، ان میں سے کوئی بات بھی میرے نزدیک نہ مستبعد ہے اور نہ اس سے حضرت حسینؓ کے مؤقف کی صحت وعدالت پر کوئی اثر ہی پڑتا ہے۔ وہ بدستور بہرصورت اپنے مؤقف میں عادل رہتے ہیں۔

۹۔ وہ، قاضی صاحب کی زبان میں، محبِ یزید ہیں (جیسے کہ خود قاضی صاحب، مبغضِ یزید ہیں) لیکن میں، نہ وہ ہوں نہ یہ بلکہ باتباعِ اکابر "لانحبه ولا نسبه" کا قائل ہوں۔

میں اپنے ان نظریات کو اپنے مضمون "حضرت حسینؓ کے کربلائی خروج کی بنیاد کیا تھی" میں مفصل و مدلل بیان کر چکا ہوں۔ جو ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" ملتان بابت ماہ محرم ۱۴۱۷ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

یہ صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کربلائی مؤقف اور یزید کے فسق وعدل سے متعلق میرے اور عباسی صاحب کے نظریات کا فرق ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ اور اصحابِ جمل وصفین (رضی اللہ عنہم) سے متعلق ریحانی وعباسی نظریات میں فرق اس کے علاوہ ہے۔ میں وہاں بھی عباسی صاحب کی ہر اس بات کو غلط کہتا، مانتا اور اس سے اختلاف رکھتا ہوں جو مسلکِ اہل السنۃ کے خلاف ہے۔

عباسی نظریات کے بالمقابل مذکورہ بالا میرے نظریات، قاضی صاحب کے نزدیک صحیح ہیں یا غلط؟ اس وقت بحث اس سے نہیں ہے بلکہ اس سے ہے کہ میں بقول قاضی صاحب، عباسی تحریرات سے متاثر ہو کر اس کا عقیدہ اپنا لینے والے زمرے میں شامل ہوں یا نہیں؟ سو قارئین نے ملاحظہ کر لیا کہ میرا اس زمرے سے کوئی تعلق نہیں۔ میں، عباسی نظریات وعقائد کے نہ بنیادی قواعد وضوابط میں ان کا ہم نوا ہوں نہ ان پر مرتب کردہ ان کے نتائج ومسائل میں ہی ان کا ہم خیال ہوں۔ میرے اور عباسی صاحب کے نظریات وخیالات بالکل الگ الگ ہیں۔

مظہری عباسیت اب میں بتاتا ہوں کہ قاضی صاحب اس معاملہ میں خود بنیادی طور پر "عباسی" بھی ہیں اور اس سے بڑھ کر "یزیدی" بھی۔ عباسی تو اس طرح ہیں کہ جو نظریات انہوں نے اختیار کر رکھے ہیں، ان کی بنیادیں بالکل وہی ہیں جو عباسی نظریات کی ہیں۔ ان کی سوچ کا انداز، طرزِ استدلال اور طریقِ استنباط واستخراج سب کچھ بعینہٖ وہی ہے جو عباسی صاحب کا ہے۔ صرف ان بنیادوں پر اٹھائے اور مرتب کئے گئے مسائل میں اختلاف ہے۔ گویا عباسی صاحب اور قاضی صاحب دونوں سوار ایک ہی کشتی کے ہیں۔ صرف ایک کا منہ اگر مشرق کی طرف ہے تو دوسرے کا مغرب کی طرف۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کہ:

الف: عباسی صاحب، کربلائی اختلاف، بنیادی طور پر حضرت حسینؓ اور یزید کے درمیان بناتے ہیں تو قاضی صاحب نے بھی ان کا مدمقابل یزید کو ہی بنا رکھا ہے۔ جس میں میرے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین ہے۔ کیونکہ یزید کی یہ حیثیت

ہی نہیں کہ وہ ریحان النبی ﷺ کے مقابل آ سکے۔اس لئے ان کا اختلاف جو کچھ بھی تھا، میرے نزدیک صحابہ کرام (علیہم الرضوان) سے تھا۔جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

ب: عباسی صاحب نے اختلافی اور بنیادی مسئلہ یزید کے عدل وفسق کو بنا رکھا تھا تو قاضی صاحب نے بھی اسی کو بنیادی حیثیت دے رکھی ہے۔ ہر وقت یزید کے عدل وفسق کا ہی رونا روتے رہتے ہیں۔

ج: عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ کے کربلائی اقدام کی صحت وعدم صحت کی بنیاد اگر یزید کے فسق وعدل پر رکھی ہوئی تھی تو قاضی صاحب بھی اسی کو بنیاد اور معیار بنائے ہوئے ہیں۔عباسی صاحب کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کا یہ اقدام اس لئے غلط تھا کہ یزید، عادل وصالح خلیفہ راشد تھا۔اس کے مقابل قاضی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ ان کا یہ اقدام اس لئے صحیح تھا کہ یزید، فاسق وفاجر اور نااہلِ خلافت تھا۔عباسی وقاضی صاحبان دونوں یزید کے فسق وعدل کو تو اصل کو تو اصل کا درجہ دیتے ہیں اور حضرت حسینؓ کے مؤقف کی صحت وعدم صحت کو اس کے تابع اور محض اضافی بناتے ہیں۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ قاضی صاحب یا کسی مظہری کے مقابلہ میں کوئی عباسی اگر یزید کا صالح وعادل ہونا ثابت کردے تو حضرت حسینؓ کی ''مظہری عدالت'' گئی اور اگر عباسی کے مقابلہ میں قاضی صاحب یا کوئی مظہری اس کا فاسق وفاجر ہونا ثابت کردے تو ان کی ''عباسی بغاوت'' نہ رہی۔اس طرح حضرت حسینؓ تو نہ مستقل طور پر عادل بن سکیں گے نہ باغی، ہاں عباسی ومظہری محققوں کا تختۂ مشق بنتے رہیں گے۔

مظہری یزیدیت اور یزیدی، قاضی صاحب اس طرح ہیں کہ انہوں نے بھی عباسی صاحب کی طرح کربلائی فریقین میں سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بجائے یزید کو ہی اپنی زندگی کا موضوع بنایا ہوا ہے۔

وضاحت اس کی یہ ہے کہ عباسی اور قاضی صاحبان دونوں کے نزدیک واقعۂ کربلا کے دو فریق تھے۔ایک حسینی، جس کے سرخیل حضرت حسین رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرا یزیدی، جس کا سرکردہ یزید تھا۔محمود احمد عباسی صاحب نے ان میں سے یزید کو اصل قرار دے کر اسی کو اپنی زندگی کا مشن بنایا، اسی نام وعنوان سے کتابیں لکھیں، حضرت حسینؓ اور ان کے کربلائی مؤقف کا ذکر تبعاً اور ضمناً لائے۔بالکل اسی طرح قاضی صاحب نے بھی حضرت حسینؓ کو چھوڑ یزید کو ہی اپنی تگ وتاز کا مرکز بنا رکھا ہے، عدالتِ حسینؓ کی بجائے فسقِ یزید کے عنوان سے ہی مضامین لکھتے لکھاتے اور معرکہ آرائیاں کرتے کراتے رہے ہیں۔اور اسی وجہ سے اہل السنۃ میں افتراق وانتشار پیدا کرتے ہیں۔کوئی شخص ان سے کسی بھی مسئلہ میں اختلاف کیوں نہ کرے وہ جب لاجواب ہونے لگتے ہیں تو اس کو پھر اگھا کر یزید کے فسق پر ہی لانے کی کوشش کرتے ہیں۔اپنے ہم عصر علماء اہل السنۃ سے ان کے اختلاف واتفاق کی آخری شرط ہی یہ ہوتی ہے کہ ''اگر یزید کو فاسق وفاجر تسلیم کرنے کا اعلان کردو تو ہمارا اختلاف ختم ہوسکتا ہے ورنہ نہیں'' اس سلسلے میں ان کا آخری مطالبہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ''واضح طور پر یزید کے بارے میں اپنے عقیدے کا اعلان کریں یہ گومگو کی پالیسی صحیح نہیں'' ان کا سب سے پہلا ''اعلان جنگ'' ہی یہ ہوتا ہے کہ ''فلاں نے باتباعِ اکابر یزید کے فاسق ہونے کا اعلان نہیں کیا'' حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کربلائی مؤقف کی صحت کا اوّل تو عموماً ذکر ہی نہیں

کرتے اگر کسی مجبوری سے کرتے بھی ہیں تو محمود احمد عباسی صاحب کی طرح محض تبعاً وضمناً اور ثانوی درجے میں۔ پھر اس میں بھی مقصود اصلی حسینی مؤقف کو صحیح بتانا نہیں ہوتا بلکہ یزید کو فاسق وفاجر بنانا ہوتا ہے۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ بات، یزید کو فاسق وفاجر کہنے، ماننے سے نہیں بنتی بلکہ حضرت حسینؓ کے مؤقف کو صحیح کہنے ماننے سے بنتی ہے۔ مثلاً ایک شخص یزید کو فاسق وفاجر، زانی وشرابی اور وہ سب کچھ کہتا، مانتا ہے جو قاضی صاحب اس کو کہلوانا اور منوانا چاہتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو بھی غلط بتاتا اور ان کو طالب جاہ ومنصب وغیرہ گردانتا ہے تو بات نہ بنے گی۔ قاضی صاحب اس کو گلے نہ لگائیں گے اور اگر وہ حضرت حسینؓ کے مؤقف کو عقلاً وشرعاً وقانوناً ہر لحاظ سے بالکل صحیح کہتا مانتا ہے اور اس کے بعد یزید کے فسق وفجور اور زناکاری وشراب نوشی کا ڈھنڈورا پیٹنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ اسکے دین وایمان اور تسنن میں کچھ فرق نہیں پڑیگا۔ بات جب حضرت حسینؓ کے موقف کی صحت سے بنتی ہے یزید کے فسق سے نہیں بنتی۔ اور حضرت حسینؓ کے موقف کو صحیح کہنے، ماننے کے بعد یزید کو ضرور بالضرور فاسق وفاجر ہی کہنے ماننے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ قاضی صاحب اگر ''یزیدی'' نہ ہوتے تو حضرت حسینؓ کے موقف کی صحت وعدم صحت کو اپنی زندگی کا مشن اور اپنے اختلاف واتفاق کا معیار بناتے، لیکن وہ چونکہ محمود احمد عباسی صاحب کی طرح خود بھی یزیدی ہیں۔ اس لئے انہوں نے یزید کے فسق وفجور کو ہی اپنی زندگی کا مشن بنانا اور اسی کو اپنے سینے سے چمٹائے رکھنا پسند کیا۔ رُخ چونکہ دونوں یزیدیوں کا ایک دوسرے سے مختلف ہے اس لئے شناخت وامتیاز کے لئے ایک کو ہم ''عباسی یزیدیت'' اور دوسری کو ''مظہری یزیدیت'' کا نام دیتے ہیں۔

مسئلہِ اوکاڑویت تیسری بات مجھ سے متعلق قاضی صاحب نے اپنے مناظرِ اسلام مولانا اوکاڑوی کے حوالہ سے یہ لکھی ہے کہ انہوں نے مجھے ''اپنی مناظرانہ علمی صلاحیت کے ذریعہ لاجواب اور بے بس کر دیا'' لیکن اپنے اس دعوے کی کوئی دلیل انہوں نے نہیں دی۔ حالانکہ میرے نام اوکاڑوی صاحب کے جس کھلے خط کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ اوکاڑوی صاحب کے نام میرے اُس خط کا جواب ہے جو فل اسکیپ کے پچیس صفحات پر مشتمل تھا، اس میں، میں نے سولہ نکتہ ہائے اعتراض اٹھائے تھے۔ وہ ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان میں دسمبر ۱۹۹۵ء تا مارچ ۱۹۹۶ء بالاقساط چھپ بھی چکا ہے۔ قاضی صاحب کے علم میں میرا وہ خط بھی یقیناً ہوگا۔ لہٰذا ان کو چاہیئے تھا کہ میرے اس خط کی کوئی ایک بات ہی مثال کے طور پر اپنے اس دعوے کی دلیل میں ذکر کر کے بتلاتے کہ مثلاً دیکھو ابو یحان نے یہ لکھا تھا، اوکاڑوی صاحب نے اس کا یہ جواب دے کر اس کو لاجواب اور بے بس کر دیا تھا۔ لیکن انہوں نے ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کی اور نہ پیش کر ہی سکتے ہیں۔ اور دعویٰ بلا دلیل کی جو حیثیت ہوا کرتی ہے وہ معلوم ہی نہیں ہے۔ رہی بات قاضی صاحب کے مناظر اسلام صاحب کی مناظرانہ علمی صلاحیت کی؟ تو ان کا وہ خط تو قاضی صاحب کے ہی ''خارجی فتنہ'' حصہ دوم (بحث فسق یزید) کا چربہ بلکہ سرقہ تھا، اپنی طرف سے کوئی نئی بات یا انوکھی تحقیق انہوں نے پیش نہ کی تھی، اس لئے علمی یا غیر علمی صلاحیت جو کچھ بھی تھی وہ مناظرِ اسلام صاحب کی نہ تھی بلکہ قاضی

صاحب کی ہی تھی۔ لہٰذا اس کو خارجی فتنہ کا مناظرانہ قلمی چربہ بلکہ سرقہ تو کہا جاسکتا ہے، علمی صلاحیت نہیں کہا جاسکتا۔ رہی خود قاضی صاحب کے ہی ''خارجی فتنہ'' کی علمی صلاحیت وحیثیت؟ تو وہ چونکہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں اس لئے اس پر زیادہ کچھ لکھنے کی بجائے قاضی صاحب کی ہی نقل کے مطابق صرف اتنا ہی عرض کرتے ہیں کہ:

ع..........دل کے خوش کرنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

اوکاڑوی بے بسی واقعہ یہ ہے کہ آج سے تقریباً سات سال پہلے ملتان کے ماہنامہ ''الخیر'' بابت ماہ محرم ۱۴۱۶ھ میں اوکاڑوی صاحب کا ایک مضمون بعنوان ''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ'' چھپا۔ اس میں شہادت کے سلسلے میں یزید کا ذکر تو آنا ہی تھا سو وہ آیا لیکن اس طرح آیا جس طرح روافض کی مجالس میں آیا کرتا ہے۔ اس پر ہنگو ضلع کوہاٹ کے مولانا محمد امین صاحب اورکزی نے ''الخیر'' کے مدیر اعلیٰ جناب مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب کو اپنے ایک خط میں اس مضمون کی طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے وہ خط جناب اوکاڑوی صاحب کو دے دیا۔ انہوں نے جواباً پہلے سے بھی بڑھ کر ایک اور مجلس پڑھ دی۔ اس کے بعد خیر المدارس کے ہی درجۂ حدیث کے ایک طالب علم نے بھی اس پر کچھ اشکالات پیش کئے تو اوکاڑوی صاحب نے دوسری مجلس سے بھی بڑھ کر ایک تیسری مجلس پڑھ ڈالی۔ ان کی یہ ساری مجلسیں اب ''تجلیات صفدر'' (جلد اول) میں چھپ گئی ہیں اس وقت چھپی نہ تھیں لیکن مجھے ان کی نقول میسر آ گئی تھیں۔ ان کی یہ سب تحریریں اور مجلسیں جب میری نظروں سے گذریں تو میں نے بھی ان کے نام ایک کھلا خط لکھا جو میں نے پہلے براہ راست ان کی خدمت میں بھیجا پھر اشاعت کیلئے ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان کو بھی بھیج دیا گیا جو اس میں بالاقساط چھپا۔ میرا موضوع یزید کا فسق وعدل ہرگز نہ تھا بلکہ میں نے اس سلسلے میں اوکاڑوی صاحب کے غلو پر گفتگو کی تھی۔ میں نے لکھا تھا کہ ایسے اختلافی مسائل کا حکم یہ ہے کہ ''اختیار تو انسان جس جانب کو چاہے کرسکتا ہے لیکن اس کی تائید وترجیح میں ایسا طریقہ اختیار نہیں کرسکتا جس سے دوسری جانب کی بالکلیہ ایسی تردید وتغلیط ہو جاتی ہو کہ اس میں سرے سے جواز کی بھی کوئی گنجائش باقی نہ رہے کیونکہ اختلافی مسائل میں خصوصاً جن میں صحابہؓ وتابعینؒ سے اختلاف چلا آرہا ہو کسی بھی جانب کی نہ قطعی تصحیح کی جاسکتی ہے نہ قطعی تغلیط۔ اس لئے کسی جانب کی تائید وترجیح میں کوئی خواہ کتنی ہی دادِ تحقیق کیوں نہ دے ڈالے، قیل وقال اور ایراد واعتراض سے خالی نہیں ہوسکتی''۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے اختلافی مسائل کے اس حکم کی روشنی میں، میں نے ان کو لکھا تھا ''آپ کے نزدیک واقعۂ کربلا وغیرہ کا حل اگر یزید کو فاسق وفاجر اور زانی وشرابی وغیرہ بنانے بتانے ہی میں تھا جہاں اوروں نے اس کو یہ کچھ کہا ہے آپ بھی ضرور کہہ لیتے لیکن اس میں اتنا غلو کرنا آپ کی شان کے لائق نہ تھا جس سے دوسری جانب کے صحابہؓ وتابعینؒ کی عزت وحرمت مجروح ہوئے بغیر نہیں رہی۔''

پھر میں نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اختلافی مسائل میں قیل وقال اور ایراد واعتراض ہر جانب کے دلائل پر وارد ہوسکتا ہے ان کے دلائل پر ایراد واعتراض وارد کر کے بتلایا تھا کہ دیکھئے آپ نے اپنے خیال میں کتنے وزنی اور مضبوط

دلائل دیئے ہیں لیکن آپ کی کوئی ایک دلیل بھی ایسی قطعی نہیں کہ اس پر کوئی اعتراض واشکال وارد نہ ہوسکتا ہو۔ یہ بتا کر میں نے لکھا کہ:

''(میرا) مقصود آپ کا مکمل جواب لکھنا یا آپ سے کوئی مجادلہ ومناظرہ کرنا نہیں بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ اختلافی اجتہادی مسائل میں کسی فریق کی طرف داری میں انسان جتنا بھی ایڑی چوٹی کا زور کیوں نہ مار لے، کوئی قطعی ویقینی بات نہیں کہہ سکتا، اس کی کوئی بھی تاویل وتوجیہ اور تشریح وتوضیح ایراد واعتراض اور قیل وقال سے خالی نہیں ہوسکتی۔ میں نے بھی جو کچھ عرض کیا ہے خود یہ بھی نہ قطعی ویقینی ہے اور نہ ایراد واعتراض سے مبرا ہی''

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آخر میں خلاصہ کے طور پر پھر لکھا تھا کہ ''اس لئے ایسے مسائل میں موقف تو جو چاہے آدمی اختیار کر لے لیکن کسی جانب کو ایسا قطعی ویقینی اور خواہ مخواہ ایسا اتفاقی واجماعی بنانے لگ جانا کہ دوسری جانب کے لئے نفسِ جواز کی بھی کوئی گنجائش نہ چھوڑنا، اصول وقواعدِ اہل سنت کی رُو سے نہایت ہی نامناسب ہے۔ یزید کی بیعت و خلافت کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا۔ اس کے بارے میں بھی صحابہ کرامؓ وتابعینؒ عظام کا آپس میں اختلاف بھی تھا اور خالصتاً اجتہادی بھی تھا۔ اس میں آپ کا میلان اگر یزید کے فسق کی طرف ہی تھا تو آپ بڑی خوشی سے اس کا ذکر کرتے لیکن اس کے لئے جیسی مجلسیں آپ نے الخیر میں، مولانا محمد امین صاحب کے جواب اور مولانا ضیاء الرحمان کے جواب میں پڑھی ہیں ایسی مجلسیں ہمارے اکابر سے ثابت نہیں ہیں۔ اکابر نے نہ تو یزید کو خلیفۂ راشد وعادل کہہ کر حضرت حسینؓ کو باغی واغی کہا ہے اور نہ حضرت حسینؓ کے عدل کے حوالہ سے یزید کو ایسا فاسق وفاجر، زانی وشرابی اور کتے باز، چیتے باز اور بندر باز وغیرہ وغیرہ بنایا ہے جیسا آپ نے اس کو یہ کچھ بنانے پر اپنا سارا زور لگا دیا ہے۔ بلکہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے جو تحقیق ''شہادۃ الامام حسینؓ اور کردار یزید'' میں کر دی ہے اس کے بعد تو حضرت حسینؓ کے موقف کی صحت کے لئے یزید کو نفسِ فاسق وفاجر بنانے بتانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہی، یہی حال حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کے موقف کا بھی ہے۔''

یہ ہے میرے اس خط کا مرکزی مضمون ومدعا جس کے جواب میں اوکاڑوی صاحب نے میرے نام اپنا وہ کھلا خط لکھا تھا جس نے قاضی صاحب کے بقول مجھے لاجواب اور بے بس کر دیا ہے۔ قارئین نے ملاحظہ کر لیا کہ میرا موضوع، یزید کا فسق وعدل نہ تھا بلکہ میری تمام تر گفتگو کا محور ومرکز اس مسئلہ میں اوکاڑوی غلو تھا، انہوں نے اصل مقصود سے تو بالکل تعرض ہی نہ کیا اور پھر سے قصۂ فسق وفجور ہی کو لے بیٹھے۔ میں نے اصل مقصود کی وضاحت کے لئے مثال اور نمونے کے طور پر ان کے دلائل پر جو اشکالات وارد کئے تھے ان کے سامنے وہ لاجواب ہوگئے مگر خفت مٹانے اور بھرم بچانے کیلئے اپنے بلند مقام سے بہت نیچے اتر آئے۔ انہوں نے دشنام طرازی وبہتان تراشی، مجادلانہ تلبیس وتدلیس اور مناظرانہ ہیر پھیر سے کام لیا۔ کبھی مجھے قادیانیوں سے ملا دیا تو کبھی یہودی بنایا، کہیں یزید کے سر پر پیغمبری کا تاج سجانے کی تعریض مجھ پر کی تو کہیں کُتے کی طرح عوعو کرنے کی گالی مجھے دی یوں اپنی عرفی شرافت ومتانت کا بھرم گنوانا تو انہوں نے پسند کر لیا لیکن ''اوکاڑوی غلو'' جو میرا اصل

موضوع تھا، اس پر گفتگو کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ جب وہ اصل موضوع کی طرف آئے ہی نہیں بلکہ بدستور فسق یزید پر ہی بھنبھناتے اور اسی کو ناپتے تولتے رہے ہیں تو مجھے لاجواب اور بے بس انہوں نے آخر کب اور کیسے کر دیا؟ ان کا میرے نام یہ کھلا خط اگر مجھے بھی بھیجتے جیسا کہ میں نے ان کے نام اپنا کھلا خط پہلے ان کو بھیجا تھا پھر نقیب ختم نبوت کو، لیکن انہوں نے اندر ہی اندر اپنے شاگردوں کو تو اشاعت کیلئے دے دیا لیکن مجھے نہ اس کی کوئی اطلاع دی نہ نقل ہی بھیجی۔ مجھے اس کا علم اس وقت ہوا جب وہ ''تجلیاتِ صفدر'' میں چھپا۔ اس میں انہوں نے جو زبان میرے خلاف استعمال کی تھی۔ ان کو یہ بتانے کیلئے کہ دیسی زبان، اوّل تو ان سے بہتر ورنہ کم از کم ان کی سی یقیناً مجھے بھی آتی ہے۔ ایک تحریری نمونہ جواباً میں نے ان کو بھیج دیا تھا۔ تاکہ ان کو اپنے بارے میں یہ غلط فہمی نہ رہے کہ یہ زبان، پاکستان میں صرف وہی جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔

باقی رہا اس خط کا مضمون تو وہ چونکہ میرے موضوع سے بالکل ہی غیر متعلق تھا۔ اس لئے میں نے اس کو نا قابل جواب سمجھ کر ایک طرف رکھ دیا۔ لیکن میرے جاننے والے جس شخص نے بھی اوکاڑوی صاحب کا وہ خط پڑھا، اس نے مجھے اس کا جواب لکھنے کو کہا۔ میں معذرت کرتا رہا۔ اگر کسی نے زیادہ اصرار کیا تو میں نے اپنے پہلے خط کی ایک نقل اس کو بھیج دی کہ میں نے اوکاڑوی صاحب کے نام یہ خط لکھا تھا، ان کے جوابی خط کا مواز نہ میرے اس خط کے ساتھ کر لیں۔ پھر اگر کوئی بات قابل جواب آپ کو نظر آئے تو مجھے لکھیں، میں جواب دے دوں گا۔ میں نے جس کو بھی اپنا وہ خط بھیجا، اس نے پڑھ کر اوکاڑوی صاحب کے خط کو بے ساختہ ''سوال از آسماں جواب از ریسماں'' کا مصداق ہی قرار دیا۔

بعض احباب کا اصرار پھر بھی جاری رہا تو میں نے مجبوراً قلم ہاتھ میں لیا اور ''تلبیساتِ صفدر'' کے نام سے اس کا مفصل جواب، اوکاڑوی زبان میں لکھ دیا۔ ابھی اس کا مبیّضہ نہ کرنے پایا تھا کہ اوکاڑوی صاحب فوت ہو گئے۔ اب میں نے ایک تو اس کا عنوان بدل دیا اور دوسرا اس کی زبان کو بھی اوکاڑوی دائرے سے نکال کر شرافت و متانت کے دائرے میں لے آیا۔ اس کے باوجود بھی ان کی وفات کے بعد مجھے اس کی اشاعت کچھ اچھی معلوم نہ ہوئی تو میں نے اس کا ارادہ بالکلیہ ہی ترک کر دیا۔ لیکن قاضی صاحب نے اس پاس و لحاظ کو میری لاجوابی اور بے بسی کا نام دے ڈالا ہے، ممکن ہے اوکاڑوی صاحب کے دیگر پرستاروں کا خیال بھی یہی ہو، اس لئے اب میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ ان کے خط کا جواب، سابقہ نام اور سابقہ زبان میں جلد شائع کرانے کی کوشش کروں گا۔

فی الحال تو میں اپنی کتاب ''سبائی فتنہ'' (جلد دوم) کی تلخیص کر رہا ہوں، کسی ماہنامہ میں چھپوانے کیلئے، تاکہ اس کا خلاصہ، قاضی صاحب اپنی زندگی میں دیکھ جائیں، مفصل کتاب تو جب شائع ہوگی سو ہوگی۔ اس سے فارغ ہو کر اگر اللہ کو منظور ہوا تو پہلی فرصت میں اوکاڑوی صاحب کا ہی قرضہ چکاؤں گا۔ اللہ کرے کہ قاضی صاحب اس کے ملاحظہ سے بھی اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر جائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین